

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقدیم

از قلم : ڈاکٹر اسرار احمد، امیر تنظیم اسلامی

یہ ۴۰-۴۱ء کی بات ہے جب میں تیسری چوتھی جماعت کا طالب علم تھا، اور ہم حصار میں ریلوے سٹیشن سے بالکل متصل اپنے اس نئے مکان میں رہائش پذیر تھے جو والد صاحب مرحوم و مغفور نے چند سال قبل ہی تعمیر کرایا تھا کہ میرے مشاہدے میں آیا کہ دو حسین و دیدہ زیب کتابوں کے دو سیٹ ہمارے یہاں بہت اہتمام کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک سیٹ مردان خانے کی ”بیٹھک“ میں رکھی ہوئی میز کی دراز میں مستقلاً موجود رہتا تھا، اور دوسرا منقسم طور پر دو جزدانوں میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کے ترجمے اور حواشی والے قرآن مجید کی ان دو جلدوں (پندرہ پندرہ پاروں پر مشتمل) کے ساتھ رکھا رہتا تھا جو والدہ صاحبہ مرحومہ کے زیر تلاوت رہتی تھیں! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہ دونوں جلدیں ”متاعِ عزیز“ کے طور پر اس مختصر ترین سامان کے ساتھ بھی پاکستان پہنچ گئی تھیں جس کے ساتھ ہمارے خاندان نے حصار سے سلیمانکی ہیڈور کس تک کا ایک سو ستر میل کا فاصلہ آگ اور خون کے دریا عبور کر کے بیس روز میں طے کیا تھا۔ پھر پاکستان میں بھی والدہ صاحبہ مرحومہ کی یہ ”متاعِ عزیز“ نہایت بوسیدہ ہو جانے کے باوجود کئی سال تک محفوظ رہی۔ تا آنکہ والدہ صاحبہ نے میرے مشورہ پر پچاس کی دہائی کے اوائل میں حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی والے مصحف کی تلاوت شروع کی۔

بہر حال، مذکورہ بالا دو کتابوں کے نام تھے : تعلیم القرآن اور کلید القرآن۔ اور ان دونوں پر مصنف کا نام تحریر تھا ”انیس احمد۔ بی اے (علیگ)۔“ پھر یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ان ہی دنوں میں بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ انیس احمد والدہ صاحبہ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی

ہیں۔ تاہم یہ یاد نہیں کہ میں نے کبھی ان کتابوں کو توجہ کے ساتھ پڑھا بھی ہو۔ ہائی اسکول کے زمانے میں اولاً مجھ پر ”بانگ درا“ چھائی رہی، بعد ازاں کچھ حفیظ جالندھری کا ”شاہنامہ“ اور کچھ مولانا مودودی کے ابتدائی کتابچے زیر مطالعہ رہے، اور زیادہ تر وقت مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی عملی سرگرمیوں کے نذر ہوا۔

میڈیکل کالج کی تعلیم کے دوران جب ذرا معلومات کا دائرہ وسیع ہوا اور حلقہ دیوبند کے بعض حضرات سے تعارف حاصل ہوا تو کان کھڑے ہوئے کہ یہ مولوی انیس احمد تو بہت بدنام انسان تھے اور ان پر حضرت شیخ الہندؒ سے غداری اور انکے خلاف فحشی کا الزام تھا۔ چنانچہ دل ہی دل میں شرم اور ندامت کا احساس بھی پیدا ہوا اور ان کے ساتھ اپنی رشتہ داری کی نسبت کو چھپائے رکھنے ہی میں عافیت محسوس ہوئی۔ بلکہ ایک واقعہ تو میں بھول ہی نہیں سکتا۔ یہ ۵۷-۵۸ء کی بات ہے کہ میں اجمل باغ، رحیم آباد (ضلع رحیم یار خان) میں سردار اجمل خان لغاری مرحوم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک ادھیڑ عمر کے مولوی صاحب تشریف لائے جن کی داڑھی اور سردونوں کے بال نہایت پرانگندہ، اور کپڑے نہایت میلے اور بوسیدہ تھے، چہرے پر خشونت بلکہ وحشت تک کے آثار تھے اور ہاتھ میں ایک بہت بھاری بھرکم عصا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے شاگرد اور مصاحب رہے تھے۔ (مجھے ان کا نام اس وقت یاد نہیں آ رہا۔ اگرچہ بہت بعد کی بات ہے کہ ایک بار جب جناح ہال لاہور میں قرآن کانفرنس کا ایک اجلاس ہوا تھا، یہ اچانک ”وارد“ ہو گئے تھے، اور انہیں میں نے ایک مختصر سے خطاب کا موقع بھی دیا تھا)۔ بہر حال وہ سردار اجمل خاں صاحب مرحوم سے گفتگو کرتے رہے اور میں صرف سنتا رہا۔ لیکن اٹائے گفتگو میں ایک بار ان کی زبان پر ”مولوی انیس احمد“ کا نام ایسے غیظ و غضب کے ساتھ آیا کہ مجھے محسوس ہوا کہ اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ میں ان کا رشتہ کا بھانجا ہوں تو چشمِ زدن میں ان کا بھاری بھرکم عصا میرے سر پر ہو گا!

اس کے چند سالوں کے بعد مولوی انیس احمد صاحب کے ایک بھتیجے سے تعارف ہوا۔ یہ شکیل احمد قریشی مرحوم تھے، محکمہ انمار میں پرنسپلنگ انجینئر، اور اس اعتبار سے نہایت

پر مستزاد یہ کہ نہایت دہنگ افسر بھی تھے اور اپنے کام میں ماہر بھی! (یہ موجودہ ماحول کے اعتبار سے ”متضاد“ اوصاف کسی ایک انسان میں شاذ ہی جمع ہوتے ہیں)۔ ان کے بارے میں جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مولانا احمد علی لاہوریؒ سے بیعت ہیں تو حیرت ہوئی کہ جس حلقے کے لوگ ان کے تایا اور دادا کو انگریز کے ایجنٹ اور قوم کے غدار قرار دیتے ہیں اسی کے ایک بزرگ سے یہ کیسے بیعت ہو گئے!

تاہم اس پوری صورت حال کا ”ڈراپ سین“ اس صورت میں ہوا کہ جب میں ۱۹۸۰ء میں پہلی بار ”بھارت“ گیا اور لکھنؤ میں مولانا محمد منظور نعمانیؒ سے ملاقات ہوئی تو چونکہ ان کا قیام بھی بہت طویل زمانے تک بریلی میں رہا تھا جہاں مولوی انیس احمد صاحب کے والد خانہ بہادر مولوی اور لیس احمد مرحوم محکمہ تعلیم میں بہت اونچے منصب پر فائز رہے تھے (اس صدی کی تیسری دہائی کے دور میں ان کی تنخواہ ایک ہزار روپے ماہانہ سے تجاوز تھی!) تو میں نے مولانا نعمانیؒ سے ڈرتے ڈرتے مولوی اور لیس صاحب کے بارے میں دریافت کر لیا۔ اس پر مولانا نے بتایا کہ ان کے ساتھ ان کی گہری شناسائی تھی اور گھریلو مراسم بھی رہے تھے اور یہ کہ کچھ لوگوں نے ان کے بیٹے مولوی انیس احمد کو خواہ مخواہ بدنام کیا، حالانکہ اب جو انڈیا آفس کا ریکارڈ منظر عام پر آیا ہے اس سے تو معلوم ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نہایت مخلص اور جو شیلے انقلابی کارکن تھے اور انگریز انہیں شیخ الہندؒ کے ”خطرناک ترین“ فدائیوں میں شمار کرتے تھے۔ اس پر میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوا۔ اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے رشتے کے ماموں بظلمہ تعالیٰ نہ غدار تھے نہ سرکار انگریزی کے مخبر، بلکہ مخلص مومن اور مرد مجاہد تھے۔

اس کے چند سال بعد کراچی میں انیس احمدؒ صاحب کے فرزند شاہد احمد (مرحوم) سے ملاقات ہوئی (جو ایک دوسرے رشتے سے میرے خالو بھی تھے!) تو مزید معلومات حاصل ہوئیں جن سے کچھ احساس فخر بھی پیدا ہوا۔۔۔۔۔۔ خصوصاً اس بات سے کہ مولوی انیس احمدؒ بھی ان چند خوش قسمت نوجوانوں میں سے تھے جنہوں نے گریجویشن کے بعد فتح پوری مسجد دہلی میں قائم شدہ ”ادارۃ نظارۃ المعارف“ میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایسے انقلابی انسان

تحریک آزادی موسوم بہ ”تحریک ریٹھی رومال“ میں شرکت کر کے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں!

البتہ جہاں تک ان کے والد مرحوم اور میری والدہ مرحومہ کے حقیقی پھوپھا یعنی خان بہادر مولوی اور یس احمد صاحب کا تعلق ہے وہ یقیناً سرسید مرحوم کے کتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور مسلمان ہند کی مصلحت اس میں سمجھتے تھے کہ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روش کو ترک کر کے مصالحت کا رویہ اختیار کیا جائے، اور انگریزی زبان بھی پڑھی جائے اور جدید علوم کی بھی بھرپور طور پر تحصیل کی جائے۔ چنانچہ یہ حقیقت ان کے نام کے ساتھ ملحق خطاب سے بھی ظاہر ہے۔ تاہم ایک تو یہ ایک خاص دور کی بات ہے جس میں بہت سے عظیم المرتبت علماء بھی اس رائے کے حامل تھے۔ (جیسے مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا محمد حسین بیالوی رحمہم اللہ!) اور دوسرے یہ کہ ایسا تو بارہا ہوا ہے کہ بیٹے نے باپ کی رائے اور روش کے بالکل برعکس راستہ اختیار کر لیا اور آزر کے گھر میں ابراہیم پیدا ہو گئے۔ چنانچہ یہی صورت اس معاملے میں ہوئی!

بہر حال، اپنی اسی ملاقات میں جناب شاہد احمد صاحب نے مجھے اپنے والد مرحوم کی پیش نظر تالیف ”انوار القرآن“ کا ایک نہایت بوسیدہ نسخہ اپنے تحریر کردہ ”تعارف“ کے ساتھ عنایت فرمایا تھا جسے ایک ”تبرک علمی“ کی حیثیت سے شائع کرنے کا فیصلہ تو اگرچہ میں نے اسی وقت کر لیا تھا، تاہم دیگر دعوتی و تنظیمی مصروفیات کی وجہ سے، جن میں گزشتہ دس پندرہ سالوں کے دوران بیرونی اسفار نے زیادہ ہی شدت پیدا کر دی ہے، یہ کام مؤخر ہوتا رہا۔ تاآنکہ ”کل امپر مرھو“ کو قلم“ کے مطابق مشیت ایزدی میں اس کی اشاعت کا وقت آگیا۔ چنانچہ اب یہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی اس تحریر کا اقتباس بھی پیش کر دوں جو میں نے ۱۹۸۷ء میں مولانا عبید اللہ سندھی کے ایک دوسرے شاگرد خواجہ عبدالحی فاروقی کی تالیف ”الخلافة الكبرى“ کا مقدمہ ماہنامہ ”میشاق“ میں شائع کرتے ہوئے اس کے تعارف کے ضمن میں سپرد قلم کی تھی :

”اس تحریک علمی و دینی کے تعارف کا ایک دوسرا رخ بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس کا تعلق علم و تفسیر قرآن کے اس ”انقلابی“ مزاج کے حامل سلسلے سے ہے جو اس صدی کے اوائل میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی ذاتِ بابرکات سے شروع ہوا تھا، جن کے خلیفہ اول کی حیثیت حاصل تھی مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو جو اواخر عمر میں کچھ زیادہ ہی ”انقلابی“ ہو گئے تھے، اور خلیفہ ثانی کا درجہ حاصل تھا مولانا احمد علی لاہوریؒ کو جو عمر کے آخری دور میں اعلیٰ اعموان و انصار کی کمی اور حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر انقلابیت سے کسی قدر رجعت فرما کر روحانیت اور بیعت ارشاد میں منہمک ہو گئے تھے اور تیسری اہم شخصیت تھی خواجہ عبدالحی فاروقیؒ کی جو اعلیٰ از اول تا آخر معتدل مزاج کے حامل رہے اور ان کے انقلابی فکرِ قرآنی نے نہ تو کوئی بڑی

تغییر لایا اور نہ ہی رجعت کی اختیار کی!

راقم نے آج سے ٹھیک دو سال قبل ”میشاق“ بابت دسمبر ۱۹۷۶ء میں ایک طویل مضمون میں تفسیر قرآن کی ان مختلف شاخوں کا جائزہ لیا تھا جو بر عظیم پاک و ہند میں انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں پھلی پھولیں۔ (یہ تحریر اب راقم کی تالیف ”دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر“ میں شامل ہے!) ان میں قادیانی و لاہوری سلسلے سے قطع نظر جو ”ضَلَّ سَبِيلًا لَا يَبْعِدَانِ“ کا مصداق کامل بن گیا، ایک انتہا پر تو مجددین کا سلسلہ تھا جس کے بانی مہمانی تھے سرسید مرحوم اور ان کے اہم خلفاء میں شامل ہیں علامہ عثمانیہ خان مشرقی اور چوہدری غلام احمد پرویز، اور دوسری انتہا پر تھے ”التراسیخون فی العلم“ جن کے سید الطائفہ تھے حضرت شیخ الہندؒ۔ اور ان کے مابین تھیں تین درمیانی رنگ کی حامل شاخیں جو۔۔۔۔۔

مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حمید الدین فراہی اور علامہ اقبال سے شروع ہوئیں اور جن کے خلفاء عظام ہیں علی الترتیب مولانا مودودی، مولانا اصلاحی اور ڈاکٹر رفیع الدین۔ علماءِ راغبین کے حلقے کی دوسری اہم شخصیت ہیں مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ جن کے بارے میں راقم لکھ چکا ہے کہ ان کی تفسیر بیان القرآن سے تین تفسیریں مزید نکلی ہیں، ایک مولانا عبدالمجید دریا بادی مرحوم کی، دوسری مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی اور تیسری مفتی محمد شفیعؒ کی۔ البتہ خاص حضرت شیخ الہندؒ کی ذاتِ بابرکات سے تفسیر

میں سے متذکرہ بالا تحریر میں صرف ایک کا ذکر ہوا تھا

یعنی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حد درجہ سلیس لیکن انتہائی عمیق حواشی کا۔ لیکن دوسرے اہم سلسلے کا ذکر رہ گیا تھا جس کے اہم افراد ہیں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور خواجہ عبدالحی فاروقیؒ۔

پیش نظر کتاب کی اشاعت کے ذریعے، ان شاء اللہ العزیز، اس ”سلسلۃ الذہب“ کی ایک تیسری کڑی کا ذکر بھی تاریخ کے صفحات میں مذکور و محفوظ ہو جائے گا۔

مولوی انیس احمدؒ کے بڑے بیٹے نفیس احمد مرحوم تو میری معلومات کی حد تک لا ولد ہی فوت ہو گئے تھے۔ البتہ ان کے چھوٹے بیٹے شاہد احمد مرحوم کی اولاد بھمہ اللہ پاکستان میں موجود ہے اور سب بہن بھائی بھمہ اللہ ذہانت و فطانت میں تو اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ان سب کو اپنے جدِ امجد کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ آمین!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

لاہور، ۵۔ جون ۱۹۹۶ء